ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

مدیر ''البرہان'' کی خدمت میں

گذشتہ سال فاضل گرامی جناب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے آپ کے مجلّہ ''البرہان'' کے کئی شمارے عنایت کیے تھے جو سب ایک ہی نشست میں پڑھ گیا۔ اکثر مباحث بڑے معلوماتی وفکر انگیز تھے۔ بعض مضامین پر لکھنے کا داعیہ بھی ہوا، مگر مختلف مصروفیات حائل ہوگئیں۔ ابھی حال میں محترم ندوی صاحب نے ۵ شمارے بشمول مارچ ۲۰۱۶ء کے خصوصی نمبر کے پھر عنایت فرمائے اور ان کو بھی پہلی فرصت میں پڑھ ڈالا۔ اسلامی تعلیم سے متعلق آپ کی ایک کتاب بھی مطالعہ میں آئی تھی۔ اسلامی تعلیم کی تدوین جدید اور خاص مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم سے متعلق راقم نے بھی بہت کچھ لکھا ہے؛ بڑے بڑے مدارس کا دورہ بھی کیا۔ ان کے علما وارباب حل وعقد سے باتیں بھی ہوئیں۔ بعض کے انٹرویو لیے اور مستقل سوچتا اور لکھتا رہتا ہوں۔ آپ ایک اہم فکری وعملی محاذ پر لگے ہوئے اور اب آپ کے قارئین کا ایک حلقۂ فکر بھی بن گیا ہے۔ مدارس کے نظام تعلیم میں اصلاحات کی بات کو ایک صدی ہو چکی ہے۔ میرا ناقص خیال یہ ہے کہ اب تقاضا نظری مباحث کے بجائے عملی اقدام کا ہے۔ آپ آگے بڑھ کر ایک نیا نظام تعلیم ترتیب دیں اور خود ایک ماڈل مدرسہ قائم کریں جہاں دینی ودنیاوی ثنویت کو مٹا کر اس نئے نصاب کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اس کے بہتر نتائج دیکھ کر ہوسکتا ہے کہ ملت اس طرف متوجہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ علما اور اہل مدارس کو چند چیزیں اصلاحات سے روکتی ہیں:

ا۔ اکابر واسلاف کی تقدیس کا رویہ۔ یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ اکابر واسلاف نے جو کتابیں (کتنی ہی فرسودہ سہی) مقرر کر دی ہیں، ان میں برکت ہے ان کو نہ پڑھائیں گے اور ان کے طریقہ سے ہٹیں گے تو دین وایمان کو خطرہ پیش

آ جائے گا۔ ان کو موجودہ صورت حال سے نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ بالجبر مدارس کے نظام میں تبدیلیاں لا دی جائیں جیسا کہ جامعہ الازہر میں ہوا ہے۔ مگر ایسا کرے گا کون، یہ بھی سوال ہے، کیونکہ حکومت خود بھی صالح نہیں تو اس کے ذریعے سے صالح تعلیمی انقلاب کیسے آ سکتا ہے؟

۲۔ دوسرا بڑا سبب روزی روٹی، اپنا حلقۂ اثر اور جماعتی اساس کھو جانے کا خطرہ ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ یہ مدارس اسلامیہ مسلکی فرقہ واریت شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، حنفی، سلفی و جماعتی (جماعت اسلامی) کا سرچشمہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ سارے تعصّبات مدارس اور ان کے منہج سے ہی طلبا، علما اور عوام میں پھیلتے ہیں۔ کوئی ایک آدھ استثنا ہو تو ہو، مگر عمومی کیفیت یہی ہے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء اس صورت حال کے خلاف ایک بڑا محاذ بن کر سامنے آیا تھا اور الحمد للہ وہاں مسلکیت کے جراثیم اب بھی نہیں ہیں، مگر حضرت مولانا علی میاں اور ان کے جانشینوں نے اس کو جس تبلیغی رخ پر ڈال دیا ہے، اس وجہ سے ندوہ سے بھی کسی بڑے خیر کی توقع ہم کو نہیں ہے۔

۳۔ اہل مدارس ہمیشہ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ نیا نصاب کہاں سے آئے گا، اور پھر اس کو پڑھائے گا کون، اس لیے کہ موجود علما تو اسی روایتی درس نظامی سے ہی مانوس ہیں، بس اسی کو پڑھا سکتے ہیں۔ غرض اس محاذ پر عملی اقدام کا سوچیں۔ ایک اسلامی یونیورسٹی/ کالج/ ماڈل مدرسہ کا قیام آپ کا حلقہ کرے تو بہت مناسب ہوگا۔ اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مدارس اسلامیہ کے لیے جو برج کورس تشکیل دیا ہے، اس کا تجربہ خاصا مفید ثابت ہو رہا ہے، اس سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آپ کے موقر مجلّہ میں مغرب، مغربی تہذیب، مغربی علوم پر تنقید و تبصرہ بھی اکثر ہوتا ہے۔ ان میں بعض اوقات کام کی چیزیں بھی ہوتی ہیں، مجھے آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں کہ آپ نے مغربی تہذیب کو نہیں پڑھا ہوگا۔ مگر علماے کرام کے بارے میں یہ خوش گمانی نہیں کہ وہ مغربی تہذیب کی الف ب سے بھی واقف ہوں گے۔ جس عالم کو دیکھیے اپنی تقریر و تحریر کی ابتدا مغرب کو (اس کو جانے بغیر) لعن طعن سے کرتا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ میں نے آج تک ایسا کوئی عالم نہیں دیکھا جسے امریکا، برطانیہ، کینیا وغیرہ میں امامت، مؤذنی، اسلامی مرکز میں کام وغیرہ کی کوئی پیش کش ہوئی اور اس نے ٹھکرا دی ہو اور ہندوستان یا پاکستان میں دین کی خدمت کو ترجیح دی ہو۔ علما کے پرے کے پرے ہیں جو ہر سال مغربی ممالک میں تراویح سنانے، جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کرنے جاتے ہیں، وہاں اعتکاف وغیرہ کرتے ہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن آپ مغرب میں قیام سے متعلق ان سے فتویٰ پوچھیے تو وہ کہیں گے کہ فقہ کی رو سے مغرب دار الحرب ہے اور دار الحرب میں مسلمانوں کا مستقل قیام جائز نہیں۔

آپ کے ایک مقالہ نگار سید خالد جامعی توہین رسالت کے ضمن میں غامدی صاحب کے موقف کے تعاقب میں لکھتے ہیں کہ ''دیارِ کفر میں مستقل قیام کو شریعت نے اجماع سے حرام قرار دیا ہے، شیخ حسن بصری تو لکھتے ہیں کہ ایسا مسلمان واپس آئے تو اسے قتل کر دیا جائے''۔ جامعی صاحب نے حسن بصری کا قول تو بالکل غلط پس منظر میں نقل کیا ہے، لیکن میں جامعی صاحب سے پوچھنا چاہوں گا کہ آپ جس اجماع کی بات کر رہے ہیں، آپ کے علما مسلسل اس کو توڑنے کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس کے خلاف کیوں قلمی جہاد آپ نہیں فرماتے؟

مغربی تہذیب کے مطالعہ کی ریت قائم کیجیے

مغربی تہذیب اور اس کے بطن سے پیدا شدہ جمہوریت و سیکولرزم سراپا شر نہیں ہیں۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے جو چیز سراپا شر ہو، اس کو غلبہ دینا سنۃ اللہ کے خلاف ہے۔ ان کا شر ہونا اضافی ہے، مثال کے طور پر انڈیا کے مسلمان (ہر طبقۂ فکر کے) نہ صرف جمہوریت و سیکولرزم کی حمایت کرتے ہیں، بلکہ مسلمان ہی عملاً ان کے محافظ بنے ہوئے ہیں، کیونکہ یہاں کی جارح ہندو اکثریت کو جمہوریت و سیکولرزم سے کوئی فائدہ نہیں۔ الٹا نقصان ہے اور یہاں ہندوتو کے عفریت کو جمہوریت و سیکولرازم کے ہتھیار سے ہی ہم روک پاتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے، یہاں تک کہ حکومت الٰہیہ کے علم بردار بھی یہاں جمہوریت و سیکولرزم کی حمایت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں پاتے۔ مسلم اکثریتی ممالک کی بات دیگر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کا کام کفر سے بھی لیتا ہے۔ ہمارے خیال میں ہند میں جمہوریت و سیکولرازم کو آج اسی کفر کے معنی میں لیا جا سکتا ہے۔ اس لیے جمہوریت کے حق میں جناب محمد رشید صاحب کی دلیلوں میں معقولیت ہے۔ اس کی کامیابی کی مثال میں موجودہ ترکی کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

یقیناً مغربی تہذیب کی اساس عقل کو خدا مان لینا اور وحی کو نہ ماننا ہے۔ اور اس سے جو کلچر پیدا ہوا ہے، اس میں عریانیت، بے باکی، اخلاقی بے راہ روی جیسی شدید درجہ کی برائیاں ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ خوبیاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس کا عروج بھی ہے۔ مثلاً احترام انسان، فرد کی آزادی ہے (اس میں غلو ہے)۔ اظہار خیال کی مکمل آزادی (اس میں بھی مبالغہ ہے)، یاد رہے اظہار کی آزادی اسلام میں بھی ہے، مگر (مسلمانوں میں نہیں) موجودہ مسلم معاشرہ فرد کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ اس کی آزادی فکر و نظر پر پہرے بٹھاتا ہے۔ اس لیے آج کا مسلم ذہنی بحران کا شکار ہے اور کسی بھی طرح کی تخلیقیت سے محروم ہے۔ اپنے اکابر اور مزعومہ مقدسین میں ہی اٹکا ہے۔ ان سے چھٹکارا ملے تو کچھ دنیا میں تخلیقی کرنے کی سوچے۔ فقہ قدیم جس کے پاس جدید دور کے مسائل کا حل نہیں، مسلم ذہن و دماغ پر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پیر تسمہ پا کی طرح مسلط ہے۔ اس سے چھٹکارا پائے بغیر آپ کیا مغربی تہذیب کا مقابلہ کریں گے۔ مغرب میں Rule of Law ہے۔ ایمانداری ہے، ہمارے ہاں موقع پاتے ہی ہر شخص کرپشن کی دلدل میں پھنسنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ان کے ہاتھ عموماً ایسا نہیں ہے۔ یہ تو ظاہری پہلو ہیں۔ ہم نے مغرب کو پڑھا ہی نہیں ہے۔ اقبال نے پڑھا تھا اور بڑے تیکھے تبصرے مغربی تہذیب پر بھی کیے ہیں۔ مگر اسی اقبال نے یہ بھی تو کہا تھا:

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب　　نے ز از رقص زنان بے حجاب

قوتِ مغرب از علم و فن است　　از ہمیں آتش چراغش روشن است

علم و فن پر جیسی توجہ وہاں ہے اور جیسی ریسرچ و تحقیق وہ کراتے ہیں۔ تحقیق پر جو محنت مغربی اسکالر کرتے ہیں، کیا ہمارے ہاں اس کا عشر عشیر بھی پایا جاتا ہے۔ مستشرقین کو گالیاں دیتے ہمارے علما تھکتے نہیں، مگر کون سا عالم دین ہے جس نے اے جے وسینک کی طرح ''مسند احمد'' جیسے ذخیرۂ حدیث کا ایک ایک لفظ پڑھا ہو، پھر کتب حدیث کا انڈیکس (مفتاح کنوز السنۃ) تیار کیا ہو؟ پاکستان کے بارے میں خوش گماں ہوں، مگر اپنے ہاں میں دیکھتا ہوں کہ مدارس کے عالم دین، محدث و فقیہ ہوں یا یونیورسٹی کے دانش ور۔ ان کے نام سے بڑی بڑی کتابیں منظر عام پر آتی ہیں۔ ان کی شہرت ہوتی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایک لفظ بھی ان کا لکھا ہوا نہیں ہوتا، سب شاگردوں اور ریسرچ اسکالروں کی محنت ہوتی ہے جن کو یہ حضرات اپنے نام سے چھپوانے اور ان کی اشاعت کرنے میں ذرا بھی نہیں شرماتے اور پھر بھی محدث و فقیہ یا بڑے اسلامی اسکالر اور دانش ور کہلاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اس بیان کو مبالغہ پر محمول نہیں سمجھیں ایسے حضرات کو نام بہ نام جانتا ہوں)۔ اس لیے جس طرح کی تنقیدیں مغرب پر آپ حضرات کر رہے ہیں، ان بے بنیاد تنقیدوں سے کوئی کام نہیں چلے گا۔ اس کے مقابلہ میں مغرب کے مطالعہ کی ریت قائم کریں۔ کوئی ایسا سینٹر اور مرکز ہو یا جہاں اس کا تحقیقی، گہرا اور معروضی مطالعہ کرایا جائے۔ محترم پروفیسر نجات اللہ صدیقی سے کئی بار راقم نے بالمشافہ پوچھا کہ کیا اسلامی دنیا میں کہیں بھی کوئی ایسا سینٹر قائم ہے۔ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ فرمایا: ایران میں انقلاب کے بعد ایک کوشش ہوئی تھی، مگر وہ بھی جلد ہی دم توڑ گئی۔ مغرب کو کوسنے کاٹنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ الٹا ہمارے لوگوں اور علما کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ پھر سید خالد جامعی اور نادر عقیل انصاری اور دین محمد جوہر اور پروفیسر طارق بٹ جیسے دانش ور فکر قرآنی کے علم برداروں پر حملے کرتے ہیں۔ مغرب کو لعن طعن کرتے ہیں۔ اور اپنی تحریروں میں علمی مغالطوں سے کام لیتے ہیں، حقائق سے وہ کھلواڑ کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ یہ دانش وری ہے تو دانش فروشی کیا ہے؟

مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کے ناقدین کی بارگاہ میں

تیسری چیز جس پر مجھے کچھ عرض کرنا ہے، وہ ہے مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا حمید الدین فراہی پر آپ کے مجلّہ میں ہونے والا بے محل اور غیر علمی نقد۔ میرے سامنے مولانا صلاح الدین یوسف اور پروفیسر طارق بٹ کے مضامین ہیں۔ بٹ صاحب نے مآخذ دین پر مولانا اصلاحی کی تنقید کا مخدوش ہونا لکھا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں حضرات حدیث کو ماخذ دین نہیں سمجھتے، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو ہمیں بتایا جائے، لیکن ان کے اپنے الفاظ میں ہو، آپ کے استنباط کی شکل میں نہ ہو۔ جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے، محترم جاوید احمد غامدی اور مولانا عمار احمد خاں ناصر نے بھی کوئی بات نہیں لکھی کہ اس پر انکارِ حدیث کا اطلاق کیا جا سکے۔ نادر عقیل اور طارق بٹ اور مولانا صلاح الدین یوسف اور دوسرے مہربان ناحق اور زبردستی غامدی صاحب اور مولانا اصلاحی کو منکر حدیث قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان'' کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کی ہے کہ ''دین کا تنہا ماخذ اس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والاصفات ہے'' (میزان ۱۳)۔ اتنی صراحت کے باوجود بھی یہ محترم ناقدین ان کو منکر حدیث قرار دیتے ہیں!! حافظ صلاح الدین یوسف صاحب تو مولانا اصلاحی کی تکفیر پر آمادہ ہیں۔ صلاح الدین یوسف صاحب اہل حدیث کے بڑے علما میں سے شمار ہوتے ہیں۔ ''خلافت و ملوکیت'' مولانا مودودی پر ان کا نقد جان دار ہے، مگر جو زبان وہ مولانا اصلاحی کے لیے استعمال کر رہے ہیں، وہ ان کے شایان شان نہیں۔ ہم مؤدبانہ عرض کریں گے کہ حضرت، آپ کا فرقہ بھی بہت سے دیوبندی حنفی علما کے تکفیری فتووں کی زد میں ہے۔ پہلے آپ اپنا ہی دفاع فرمالیں، دوسروں پر بعد میں سنگ باری کریں۔ اجماع و جمہور کی دہائی دینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ تقلیدِ ائمۂ اربعہ، طلاق ثلاثہ، رکعات تراویح کے سلسلہ میں تو آپ کے مسلک پر خود خرقِ اجماع کا الزام ہے، اس الزام کو تو رفع کر لیں۔ رہی آپ کی اور آپ کے فرقہ کی قرآن دانی جس کے لیے آپ نے چند ناموں کا حوالہ دیا ہے، ان میں ایک تو خود آپ ہی شامل ہیں، یہ تو تواضع علمی اور انکساری نہ ہوئی علمی غرور ہوا۔ سعودی عرب سے چھپنے والی جس تفسیر کا آپ نے حوالہ دیا ہے، اس کا احوال ذرا ندوۃ العلماء کے استاد مولانا برہان الدین سنبھلی اور محمد امام الدین رام نگری سے پوچھیے۔ ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ وہ ترجمہ و تفسیر پورا ''بیان القرآن'' مولانا تھانوی سے ماخوذ و سرقہ ہے۔ اس سلسلہ میں ایک طویل مضمون ''ترجمان الاسلام'' بنارس (انڈیا) میں ''چہ دلاور است دزدے بکف چراغ دارد'' کے عنوان سے چھپ چکا ہے!! خدا کے ہاں غامدی صاحب کو بھی جانا ہے اور ان کرم فرماؤں کو بھی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خیر یہ جملہ معترضہ تھا، سردست جناب جاوید احمد غامدی اور حدیث کے بارے میں ان کا موقف زیر بحث نہیں۔ زیر بحث ہے مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کا موقف۔ ''تفسیر نظام القران'' (اردو ترجمہ اصلاحی)، ''تدبر حدیث''، ''دروس موطا''، ان تینوں میں مولانا اصلاحی نے کھل کر اپنا اور اپنے استاد کا موقف حدیث کے بارے میں بتا دیا ہے کہ وہ امت سے الگ کوئی موقف نہیں رکھتے۔ پھر ان کی صراحتوں کے باوجود ان کو کیوں انکار حدیث کا مجرم ٹھیرایا جا رہا ہے۔

پروفیسر طارق بٹ سوال کرتے ہیں کہ مآخذ دین پر مولانا اصلاحی کی تنقید کا مخدوش ہونا بعض لوگوں کو کیوں سمجھ میں نہیں آتا؟

اس کا جواب انھوں نے خود یہ دیا ہے کہ مولانا اصلاحی مغربی فکر و تہذیب سے شعوری یا لاشعوری طور پر مرعوب اور خصوصاً مستشرقین کی حدیث و سنت کے بارے میں آرا سے متاثر ہو گئے تھے۔ یاد رہے کہ مغربی فکر سے مرعوبیت پر خود مولانا اصلاحی کا جان دار نقد حال ہی میں ''اشراق'' میں شائع ہوا تھا، موصوف اسے ملاحظہ فرما لیں اور اپنی تصحیح کر لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مولانا اصلاحی نے مآخذ دین پر تنقید نہیں کی ہے۔ بٹ صاحب آپ خلط مبحث کر رہے ہیں۔ مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی، دونوں نے تفسیر قرآن کے مآخذ پر گفتگو کرتے ہوئے تفسیری روایات اور شان نزول کی احادیث پر تنقید کی ہے۔ دونوں میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ تفسیری روایات پر نقد کے سلسلہ میں سلف کے ہاں اس سے بھی زیادہ سخت راے پائی جاتی ہے جس کے سبب مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی پروفیسر بٹ صاحب کے نزدیک مطعون قرار پائے۔ یہ دونوں حضرات اس سلسلہ میں بے حد محتاط ہیں، اس لیے کہ تفسیری روایات اور خاص کر شان نزول کی روایات اکثر و بیش تر ضعیف و موضوع ہیں، اسی لیے تفسیری روایات کے بارے میں بعض ائمۂ سلف کا موقف اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد جیسے بڑے ذخیرۂ حدیث کے جامع اہل سنت کے عظیم اماموں میں سے ایک ہیں، لیکن وہ تفسیری روایات کے بارے میں فرماتے ہیں: 'ثلاثة لا أصل لها: التفسير و الملاحم و الفتن'۔ علامہ ابن حجر نے ان کا یہ قول بایں الفاظ نقل کیا ہے:

قال الإمام أحمد: ثلاثة كتب ليس لها أصول، وهي المغازي والتفسير والملاحم.

قال الحافظ ابن حجر: ينبغي أن يضاف إليها الفضائل، فهذه أودية الأحاديث الضعيفة والموضوعة، إذ كانت العمدة في المغازي على مثل الواقدي، وفي التفسير على مثل مقاتل الكلبي وفي الملاحم على الإسرائيليات، وأما الفضائل فلا تحصى كم وضع

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الرافضة في فضائل أهل البيت وعارضهم جهلة أهل السنة بفضائل معاوية، بدئوا بفضل الشيخين وقد أغناهما اللّٰه وأعلى مرتبتهما عنها. (لسان المیزان ۱/ ۱۳)

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں: تفسیر، مغازی اور ملاحم۔ حافظ ابن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں فضائل کا اور اضافہ کر لیا جائے۔ یہ چاروں ضعیف و موضوع حدیثوں کے میدان ہیں۔ آگے حافظ رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہیں۔

امام احمد کے اس قول کی تائید محدث خطیب بغدادی نے بھی کی اور اس کی توضیح بھی۔ جیسا کہ ملا علی القاری نے ''الاسرار المرفوعۃ'' میں صفحہ ۳۹۹ میں لکھا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے اس نقد کی شدت کو کم کرتے ہوئے اس کی توجیہ کی: 'أي لا أصل لها' (ابن تیمیہ، مقدمہ فی التفسیر)۔ سر دست ملاحم و فتن پر بحث کو کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ تفسیری روایات کا معاملہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و متصل مرفوع احادیث گنتی کی ہیں جو اس باب میں وارد ہیں اور وہ ہر مسلمان کے لیے علی الراس والعین ہیں اور ہونی ہی چاہییں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ تفسیری روایات اور شان نزول کی روایات کا بڑا حصہ اقوال صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے اقوال و قیاسات پر مبنی ہے، اور ایک وافر حصہ اسرائیلیات کا ہے۔ انھی کو مجموعہ ہائے حدیث کی کتاب التفسیر میں جگہ دی گئی۔ ان میں وہ اقوال و قیاسات جو صحیح احادیث اور قرآنی بیانات کے مطابق ہوں گے، قبول کیے جائیں اور جو ان کے خلاف ہوں گے، لغت عرب، نظم قرآن جن کو قبول کرنے سے ابا کرتا ہو گا، وہ مردود ہوں گے۔ اب بہت ساری شان نزول کی روایتیں ایسی ہیں جو قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا دیتی ہیں۔ مثلاً بعض روایات بتاتی ہیں کہ قرآن کی مکمل آیت نہیں آیت کا فلاں فقرہ فلاں موقع پر نازل ہوا اور فلاں فقرہ فلاں موقع پر، یہاں تک کہ بعض وہ آیات بھی جن میں 'و' عاطفہ یا فاے عاطفہ آیا ہے۔ اس طرح ایک ہی آیت کی قطع و برید ہو جاتی ہے۔ آیات کا نظم ڈھتا اور جملوں کی نشست بگڑتی ہے۔ اس طرح کی بے ہودگی انسانی کلام میں آپ برداشت نہیں کرتے، اللہ رب العٰلمین کے کلام میں برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ بھی ان راویوں کی ثقاہت کو بچانے کے لیے جن کی روایات کی داخلی شہادت ہے کہ قرآن سے حد درجہ بے خبر تھے۔ واللہ، قرآن ایسی روایات سے بری ہے اور ان کا محتاج بھی نہیں۔ یہ مبحث کسی مراسلہ یا مضمون کا متحمل نہیں طوالت چاہتا ہے اور ایک کتاب میں ہی تفصیل سے اس کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ تفسیری روایات کے تحقیقی مطالعہ پر مشتمل ایک کتاب پر راقم خاک سار کام کر رہا ہے۔

مولانا فراہی و اصلاحی کا یہ موقف ہرگز ہرگز بھی مستشرقین کی تحقیقات اور ان کے طریقہ سے مرعوبیت کا نتیجہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نہیں۔ یاد رہے کہ میرے والد ماجد علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی، قدیم طرز کے علما میں تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ، حدیث میں مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد، موطا، مسند احمد اور بخاری کے شارح، ۴۰ سال ہند کے بڑے مدارس میں بخاری کا درس دیا۔ مگر تفسیری روایات کے سلسلہ میں ان کا موقف مولانا فراہی واصلاحی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ وہ سرسید اسکول کے سخت ناقد تھے۔ مولانا مودودی کے سخت ناقد تھے، مگر ان کی زندگی بھر کی تحقیقات کا نچوڑ یہ ہے کہ شان نزول کی روایتیں عموماً اور دیگر تفسیری روایتیں فہم قرآنی میں سب سے بڑی حارج ہیں (مرفوع ومتصل روایتوں کے استثنا کے ساتھ)۔

یاد رہے کہ ہم مولانا فراہی واصلاحی کے غالی مداح نہیں، نہ ان کی ہر بات کو من وعن تسلیم کرتے ہیں۔ اپنی کتاب ''عالم اسلام کے چند مشاہیر'' میں ہم نے لکھا ہے: ''ان کی ہر بات اور تحقیق سے اتفاق کرنا ضروری نہیں مسئلۂ رجم اور اس ضمن میں بعض صحابہ وصحابیات کی شان میں ان کے قلم نے لغزش کی ہے۔'' (ص: ۱۴۹، مطبوعہ فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی)

رجم کے سلسلہ کی روایات پر نقد کرتے ہوئے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور حضرت غامدیہ کے بارے میں مولانا اصلاحی کا تبصرہ درست نہیں، مگر اس میں وہ معذور سمجھے جائیں گے، اس لیے کہ اس مقام پر وہ مؤول ہیں اور تاویل اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک عذر مقبول ہے۔ میرا طارق بٹ صاحب سے سوال ہے کہ وہ مذکورہ بالا وضاحتوں کی روشنی میں مولانا فراہی واصلاحی کے نقد کی صحیح نوعیت کا ادراک کیوں نہیں کر سکے؟

اپریل ۲۰۱۶ء کے شمارہ میں طارق بٹ صاحب نے بلا جواز مولانا عمار احمد خاں ناصر پر جارحانہ نقد کیا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ موصوف علمی نقد کے آداب اور اصولوں سے ناواقف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''جب غازی ممتاز قادری (شہید) نے گستاخ رسول سلمان تاثیر کو کیفر کردار تک پہنچایا تو عمار صاحب نے مغربی قوتوں، ملعونہ آسیہ مسیح اور سلمان تاثیر کی حمایت میں کتاب لکھی''۔ بٹ صاحب نے پتا نہیں اس کتاب کو دیکھا بھی ہے یا نہیں بس سنی سنائی اڑا رہے ہیں۔ سنیے! جس کتاب کو آپ مطعون کر رہے ہیں، اس کتاب کا نام ''براہین'' ہے۔ اور اس میں مسئلہ کا صرف اصولی جائزہ لیا گیا ہے، نہ مغربی قوتوں کی حمایت ہے نہ آسیہ مسیح اور سلمان تاثیر کی! آپ اتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں بغیر کسی دلیل کے؟ اپنے اس دعوے کی دلیل میں اس کتاب سے کوئی ایک جملہ کوئی ایک لائن تو نقل کرتے؟

مزید لکھتے ہیں: ''پھر جب غامدی صاحب پر استخفاف وانکار حدیث کا الزام لگا تو عمار ناصر صاحب نے اس الزام کا توڑ کرنے اور غامدی صاحب کو سچا ثابت کرنے کے لیے اب ''فقہاء احناف اور فہم حدیث'' کے نام سے ایک

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کتاب لکھی ہے''۔ حضرت بٹ صاحب الزام کا کوئی سر پیر تو ہو! کتاب اہل علم کے سامنے ہے۔ اس پر کئی اہل علم کے تبصرے بھی راقم نے پڑھے ہیں۔ کسی نے اس دور کی کوڑی کا ذکر نہیں کیا جو بٹ صاحب لائے ہیں۔ نقد کا شوق ہے خوب شوق سے کیجیے، مگر دلائل کے ساتھ، ورنہ آپ کا نقد تاریخ کے کوڑے دان کا حصہ بنے گا۔ آپ حضرات کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ جس شخص پر نقد کرنا ہے، اس کی تحریروں کا خود سے ایک مفہوم متعین کرتے ہیں، پھر اس پر چاند ماری کرنے لگتے ہیں۔ آپ کے پاس بہتر آپشن یہ ہے کہ جاوید احمد غامدی کی اور عمار ناصر صاحب کی تحریروں سے وہ ٹکڑے اور وہ جملے آپ نقل کرتے جو آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہیں، پھر ان پر آپ نقد کرتے۔ یہ تو سرے سے کوئی نقد ہی نہیں ہوا کہ کسی کتاب یا مضمون کا اپنے جی سے خود ہی مفہوم یا مقصد متعین کیا، پھر اس پر حملہ کرنے لگ گئے۔ یہی تو مستشرقین اور ان کے ذلہ ربا کیا کرتے ہیں!! اس طرح کی بے دلیل تنقیدوں سے غامدی اور عمار ناصر صاحب کا کچھ نہیں بگڑے گا، الٹے آپ کی علمی ثقاہت داؤں پر لگے گی۔

سہ ماہی ''جی'' کا وہ شمارہ بھی راقم نے پڑھا جس میں جناب جاوید احمد غامدی پر کئی تنقیدی مقالے شائع کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک طویل مضمون نادر عقیل انصاری صاحب کا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی نقد سے بری نہیں ہے۔ بقول امام دار الہجرت امام مالک: 'كل يؤخذ من قوله و يرد الا صاحب هذا القبر، و أشار الى قبر النبي صلى الله عليه و سلم '، لیکن نقد علمی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ نادر عقیل انصاری صاحب، محترم غامدی صاحب کو بھی بلا دلیل منکر حدیث لکھ رہے ہیں اور ظلم یہ کر رہے ہیں کہ مولانا فراہی و شبلی کو بھی سرسید کا پیرو اور جدیدیت کا علم بردار بتا رہے ہیں۔ شبلی و فراہی کی تصانیف کیا چھپی ہوئی نہیں ہیں؟ کیا وہ الماریوں میں بند ہیں؟۔ موصوف اس دریدہ دہنی کے لیے ان دونوں حضرات کی تحریروں سے صرف ایک لائن لکھ کر اپنا مدعا ثابت کر دیں تو جانیں۔ فراہی جیسے متبحر عالم، قرآن میں ڈوبے رہنے والے ایک نابغۂ روزگار کو بھلا جدیدیت سے کیا واسطہ! علامہ تقی الدین ہلالی المراکشی عربیت کے بلند پایہ عالم اور مسلکاً سخت متصلب سلفی تھے، لیکن فراہی کے علم و ورع اور عربیت کے نہایت مداح۔ ''تفسیر نظام القرآن'' عربی کا مقدمہ مولانا فراہی نے ان کو پڑھنے کے لیے دیا۔ اسے پڑھ کر علامہ موصوف رونے لگے۔ فراہی کا مرتبہ حافظ صلاح الدین یوسف جیسے روایت پرست کیا جانیں، ان کا رتبہ امام الہند ابوالکلام آزاد سے پوچھیے جو کہتے تھے کہ مولانا حمید الدین فراہی کی صحبت میں بیٹھنے والے کو یہ فیصلہ کرنا محال ہوتا ہے کہ ان کا علم زیادہ ہے یا تقویٰ!

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com